ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
aa

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.3.2025

الطاف فاطمہ کا ناول "دستک نہ دو" تانیثیت کے تناظر میں

ALTAF FATIMA'S NOVEL "DASTAK NA DO" IN THE CONTEXT OF FEMINISM

Dr. Uzma Noreen
Lecturer G.C Women University Sialkot
Dr. Shazada Muntazir Mehdi
PhD Department of Urdu Government College University Faisalabad
Saddique
Lecturer Department of Urdu University of Swabi

Abstract
Famous Pakistani Urdu fiction writer Altaf Fatima is one of Pakistan's famous novelist, fiction writer, translator and women educator. All her creative writings are a reflection of her varied experiences and deep observations. And in the short stories both patriotic and religious flavor were mixed. She has his own style of writing which is sometimes reflected in her style and sometimes in the attitudes of her characters. Most of her characters are include those girls and women who have withdrawn from society and tried to challenge the norms and values of their family and society. While creating such characters, she kept in mind the attitudes of her society, under which women were encouraged to remain submissive in all respects with regular planning, so her novel "Dastak Na Do" is discussed in this context.

Key Words: *Altaf Fatima, "Dastak Na Do", Feminism, religious flavor, society.*

تانیثیت کا آغاز مغرب سے ہو اسلسلہ آغاز میں عملی تحریکوں کے ساتھ ساتھ عورت کے تشخص کو اُجاگر کرنے کے لیے بہت ساری تصانیف حوالہ قلم کی گئیں ،کیوں کہ مغربی معاشرے میں بنیادی حقوق سے محرومی تھی جس کی وجہ پدر سری معاشرہ تھا۔لہذا انیسویں صدی کے آغاز میں عورت نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے تگ و دو شروع اور علم بغاوت بلند کیا تا کہ جو صنفی امتیاز عورت کو حقیر گردانتا ہے ، اسے ختم کیا جاسکے اور عورت کو زندگی کے ہر ایک شعبہ میں برابری کا رتبہ دیا جائے۔

الطاف فاطمہ کے اس ناول کی تاریخ طباعت ۱۹۶۴ء ہے۔اس ناول کا مرکزی کردار گیتی آراء ہے جو اپنوں کی بے حسی کا شکار ہے۔اس ناول کے بارے میں ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں :

> "یہ ناول ان اعلیٰ خاندانوں کے کھوکھلے پن اور دولت و نسب کی نمائش پر مبنی زندگی کو ظاہر کرتا ہے جو جذبات کی قیمت دولت اور خوش حالی سے لگاتے ہیں اور جب دولت اور شہرت کے باطن میں موجود غلاظت اور مکر و فریب اس طبقے پر آشکار ہوتے ہیں تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔"(۱)

ناول کے تمام کردار کسی نہ کسی حوالے سے پچھتاوے کا شکار ہیں۔ان کرداروں کے یہ مسائل ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہیں کیوں کہ یہ سب بعد میں اپنے اعمال کی سزا بھگتتے ہیں۔

یہ ایک اعلیٰ خاندان کی کہانی ہے۔گیتی آراء منہ پھٹ اور خود سر لڑکی ہے جو اپنی الجھنوں کی وجہ سے ایسی حرکتیں کر رہی ہے جو ایک نارمل بندہ نہیں کرتا۔اس نفسیاتی الجھنیں اور پریشانیاں اُسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہیں۔اس خاندان کی کہانی بیان کر کے الطاف فاطمہ نے دولت مندی کے مسائل بیان کیے ہیں۔وجہ یہ ہے کہ جب دولت آتی ہے تو اپنے ساتھ ہزار برائیاں لاتی ہے۔نو دولتیے سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر دیتے

ہیں اور پھر اپنے سے اونچے خاندانوں کے ساتھ راہ ورسم بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے احساسِ کمتری کا پتا چل جاتا ہے۔اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> اس(ناول) میں ایک ایسے امیر طبقے کی زندگی کی داستان رقم کی گئی ہے جو بظاہر صاف شفاف اور پُر رونق ہے مگر اندر سے کھوکھلی نمائش، انا اور تضادات کا شکار ہے اور یہ کھوکھلا پن کئی محرومیوں اور اندرونی خلفشار اور خلا کا باعث ہے جس کی وجہ سے ایک سیدھی سادی گھریلو کہانی المیہ داستان کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔"(۲)

دولت مند لوگ اپنے برابر یا اپنوں سے زیادہ دولت مندوں سے تعلق یہاں تک کہ رشتہ داریاں بنانے سے گریز نہیں کرتے۔ان لوگوں کے طور اطوار بدل جاتے ہیں۔اپنے خاندان سے کٹ جانے کی وجہ سے ان کا رہن سہن اور طور اطوار یکسر بدل جاتے ہیں۔اس وجہ سے ان کا اپنوں سے تعلق نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ایسے میں اپنوں سے دوری بعض اوقات کرب اور کسک کا باعث بنتے ہیں۔انھی پرانے رشتوں سے دور ہونے کا احساس ان میں خوشیوں کا دشمن بن جاتے ہیں اور اس طرح خاندانوں میں رقابتیں، نفرتیں، منافقتیں اور حسد جیسے الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں۔اس ناول میں بیان کیا گیا ہے کہ کرب آج کل ہمارے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔کوئی بھی اپنی جگہ مطمئن اور خوش نہیں ہے۔وجہ یہ ہے کہ ہر کوئی بندہ اپنی خواہشات کا غلام بنا ہوا ہے۔اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے۔بزرگوں کی باتوں اور نصائح کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑایا جاتا ہے۔اس کے بعد مسائل شروع ہو جاتے ہیں۔وجہ یہ ہے کہ بزرگوں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔دوسرا یہ کہ نودولتیوں کے پاس پیسہ آجائے تو اس کا اثر سب سے پہلے ان کی خواتین پر پڑتا ہے۔چوں کہ صنفِ نازک میں رقابت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی فیملی میں مقابلے کی فضا پیدا کر دیتی ہے اور سماجی اور نفسیاتی مسائل شروع ہو جاتے ہیں۔

ناول کا مرکزی کردار گیتی آراء اپنی ماں سے اپنے دل کا حال کہہ دیتی ہے کہ میرا رشتہ فلاں لڑکے سے کیا جائے کیوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں بھی۔اس بات کو انا کا مسئلہ بنا کر گیتی کی ماں آسمان سر پر اٹھا لیتی ہے اور بات بات پر اسے طعنے دیتی ہے کہ تم فاحشہ ہو، تم بدکردار ہو، تم یہ ہو تم وہ ہو۔اس بات سے گیتی کا والد مرزا بیگ بھی قلق کا شکار ہو جاتا ہے۔اگرچہ وہ بیٹی کا حامی ہے مگر اپنی بیوی کے غرور اور اس کی بدزبانی کے ڈر سے خاموش رہتا ہے۔گیتی کو اپنی ناکام محبت کی وجہ سے دھچکا لگ جاتا ہے اور وہ کرب کا شکار ہو جاتی ہے۔وہ ہر وقت ایسی حرکتیں کرتی ہے جس سے اس کا خاندان بدنام ہو جائے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شعوری طور پر اپنے سے پنچ لڑکوں کے ساتھ پکچر دیکھنے جایا کرتی ہے اور قصداً ایسی جگہوں جاتی ہے جس سے اُس پر بدچلنی کا الزام آجائے۔چوں کہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے اس لیے اس کی ماں کو صدمہ پہنچتا ہے اور اس کا رویہ گیتی کے ساتھ انتہائی سخت ہو جاتا ہے، لیکن وہ اس بات کا کوئی اثر نہیں لیتی بلکہ مزید بگڑ جاتی ہے۔اس حوالے سے مختلف لوگ گیتی کو نصیحتیں کرتے ہیں اور اس کو اپنے راستے سے پیچھے ہٹ جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔جیسے اس کے ایک دوست لینن نے اُس سے کہا:

> "مجھے اپنے نوشتہ تقدیر کو
> بہر صورت برداشت کرنا چاہیئے
> بغض وعناد سے شکستہ دل بیمار کی ساری رنجوریاں
> بالآخر سکون پذیر ہو جاتی ہیں
> موت۔کلفتیں اور اُن کا مداوا
> بھی اپنے اپنے وقت پر ہی آتے ہیں
> یہ صرف جنگ (دوسروں کے جذبات کا لحاظ) کی کرامت جو میں زاہنی زبان بند رکھی ہے۔"(۳)

اپنے خاندان کے ان مسائل کی وجہ سے اس کے والد صاحب بہت پریشان تھے۔اس کا کرب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> "ہر طرف سکون تھا اور خاموشی۔ماسوا ان کے غم زدہ دل کے۔ان کے بچے منتشر اور پراگندہ تھے۔وہ ان میں سے کسی طرف سے مطمئن اور مسرور نہ تھے۔اے کاش! یہ سب کچھ میسر نہ

> ہوتا، مگر میرے بچوں اور ان کی ماں کے درمیان مفاہمت ہوتی۔ اے کاش! میں ان کے لیے اجنبی نہ ہوتا۔ کتنی سچی بات کہی ہے بیگ گٹھلی کی خرابی کا یہ مطلب سمجھیے کہ جڑ میں روگ ہے۔ اور اس خرابی کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں ۔"(۴)

ہمارا معاشرہ ایسا ہے کہ یہاں خاندانوں میں ہمیشہ قربانی عورت ہی دیتی ہے۔ مثلاً کسی کے درمیان دشمنی ہو۔ کوئی قتل ہوا ہو یا اور کوئی ناخوش گوار واقعہ رونما ہوا ہو تو عورت کو ہی "شورہ" یا "ونی" کی رسم کے بھینٹ چڑھا کر دونوں خاندانوں کی درمیان صلح ممکن ہو پاتی ہے۔ اسی طرح اگر مرد جتنا بھی لوفر، لفنگا اور برے اعمال کا حامل کیوں نہ ہو اُسے کچھ نہیں کہا جاتا اگر بے چاری لڑکی معمولی سی بھی غلط حرکت کرے تو سارے خاندان میں جیسے بھونچال آ جاتا ہے۔ مثلاً ایک لڑکی کسی لڑکے کو دل دے بیٹھتی ہے تو وہ بے چاری اپنے خاندان میں کسی سے دل کا حال بیان کر دیتی ہے تو سب اُس کا جینا حرام کر دیتے ہیں جیسے گیتی کا سب نے (خصوصاً اس کی ماں) کر دیا تھا۔ اگر گیتی نے غلط کر دیا تھا تو اس کو سمجھا دیا جاتا۔ اُسے نصیحت کر کے اپنے ارادے سے باز رکھا جاتا۔ ناجی ایسا اُس کی ماں نے سوچا تک نہیں بلکہ اپنے غرور اور تکبر سے اُس کو ہر جگہ بدنام کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عورت سے ہر جگہ قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو کہ سراسر ناانصافی ہے۔

یہ ناول گیتی کے ذریعے سے عورت کی نفسیاتی الجھنوں اور پھر اس کی بغاوت کی وجہ سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔ عورت چاہے اونچے خاندان سے، غریب ہو یا درمیانے طبقے سے، اُس کا ہمیشہ سے استحصال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صورت میں عورت کو باغی ہو کر اپنے سامنے حائل ہر دیوار کو گرا بھی دینا چاہیئے۔ جیسے گیتی آراء نے کیا۔ دوسری صورت میں اپنی خواہشات کا گلہ گھونٹ کر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتی ہے اور یہی ہمیشہ کے لیے اُس کا روگ بن جاتا ہے اور وہ چپ چاپ زندگی کے لیے قربانیاں دیتے دیتے آخر میں اپنی قربانی دے دیتی ہے اور یہی عورت معاشرے کی نظر میں باکردار، تمیز دار اور بااخلاق گردانی جاتی ہے۔ اس حوالے سے گیتی آراء کے تاثرات یہ ہیں :

> "صولت آپا اور اماں بیگم نے مجھے دکھی کیا ہے۔ انھوں نے اپنے حقوق کا ناجائز استعمال کر کے مجھے میری خوشیوں سے دور کر دیا اور میرا جتنا نقصان ہوا ہے اس کی تلافی اب کسی صورت ممکن نہیں۔ مسعود کی تذلیل میں کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی اس لیے میں انھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"(۵)

اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسعود (اس کا محبو) کے حوالے سے گیتی کے جذبات خاصے جارحانہ ہیں اور وہ اپنے محبوب کی بے عزتی کا سب سے بدلہ لے رہی ے ھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے خوابوں کا محل ایک ہی دھکے سے مسمار کر دیا گیا تھا۔ اس کا صولت آپا (اس کا رشتہ) ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کا مقصد یہی تھا کہ میرے جذبات کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ اور یہ نقصان ایسا ہے جو میری برداشت سے باہر ہے۔ میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکتی وغیرہ۔ اس کے خواب ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر اپنے راستے میں آنے والی ہر دیوار سے ٹکرا جاتی ہے۔ وہ اپنے خاندان کی بدنامی کو کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ صولت نے جس کی آگ میں اور اُس کی اماں نے جھوٹی انا کی تسکین کے لیے اُسے پچھتاوے اور ذلت کی اتھا گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ جب مسعود کے بارے میں اس کے گھر میں یہ بات پتا چلی تو گیتی کی ماں مسعود کے گھر گئی اور اس کی ماں کی بے عزتی کی کہ آپ لوگ ہمارے قابل نہیں اور اپنی حیثیت کو کبھی مت بھولو۔ ان باتوں سے گیتی کو بہت صدمہ پہنچا تھا اور وہ ردِ عمل کے طور پر بہت ضدی اور خود سر بن گئی تھی۔ وہ ہر وہ کام کرتی جس سے اُس کی ماں اُسے منع کرتی۔ خاندان کے فیصلے نے اُسے ذہنی مریض بنا دیا تھا۔ س حوالے سے رضوانہ صفدر لکھتی ہیں:

> "انسان غلط فیصلے شعوری طور پر نہیں کرتا بلکہ لاشعوری طور پر کر جاتا ہے۔۔۔ اپنی بیرونی مصروفیات کے باعث گھر اور اپنے بچوں کی تمام تر ذمہ داری بیوی کو سونپ کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور بیوی اس زعم میں نہ صرف اپنے غریب رشتہ داروں کو حقیر گردانتی ہے بلکہ اپنے سسرال کے تمام رشتے داروں سے قطع تعلق میں بڑا پن سمجھتی ہے اپنی اعلیٰ نسبی پر فخر محسوس کرتی ہے۔ بلکہ اپنے بچوں کے خوابوں اور خوشیوں کو بھی اپنی انا کی خاطر تسکین کے بھینٹ چڑھا دیتی ہے۔ اس پر بعد میں سیٹھ صاحب بھی پچھتاتے ہیں اور خود وہ بھی۔"(٦)

جب انسان کے خواب ٹوٹتے ہیں تو وہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے اور وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے جذبات مر جاتے ہیں۔ اس حوالے سے رضوانہ صفدر ایک اور جگہ یوں لکھتی ہیں:

"اس ناول میں خوابوں کے ٹوٹنے کے عمل نے کرداروں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے اور یہ داخلی شکست اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب آئیڈیل آنکھوں کے سامنے زیر ہو کر گر جاتا ہے۔ صولت، گیتی، اس کی ماں اور جہانگیر مرزا بیگ اپنے اپنے خوابوں کے ٹوٹنے کے عمل میں مبتلا ہو کر نفسیاتی الجھنوں کے شکار دکھائے گئے ہیں۔ الطاف فاطمہ نے ہر کردار کو سماجی رویوں اور غلط فیصلوں کے باعث مشکلات اور ذہنی کرب میں مبتلا دکھایا ہے۔ گیتی نے اپنے خواب ٹوٹتے دیکھ کر باغی اور ضدی ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے پے در پے اتفاقات ہوتے ہیں کہ انسان ایسے فیصلے کر جاتا ہے جن کے باعث خود ہی اپنے لیے مصائب کو آواز دیتا ہے۔ ایسا ہی گیتی نے کیا۔ اماں بیگم کے سکون نے اس کے اندر جو ہلچل مچائی اور جس اعصابی تناؤ کا شکار وہ ہوتی ہے یہ صورتِ حال اس سے ایسے فیصلے کرواتی ہے کہ نتیجے میں پہلے سے زیادہ کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔"(۷)

جب انسان پر بد قسمتی اور بد بختی آتی ہے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے غلط فیصلے نہیں کرتا بلکہ ایک اَن جانی قوت اس کے ہاتھ پاؤں شل کر دیتی ہے اور وہ غلط فیصلے کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر اُس کے پاس پچھتاوے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اس لیے یہ چاہیئے کہ انسان جو بھی فیصلہ کرے اس میں اپنے ساتھ بزرگوں کو شامل کرے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ جہاندیدہ ہوتے ہیں اور اپنے خاندان کی بھلائی کے لیے صحیح فیصلے کرتے ہیں۔ بزرگوں کے کیے گئے صحیح فیصلوں سے خاندانوں کے درمیان اتفاق و اتحاد قائم رہتا ہے اور وہ سکون کی فضا میں سانس لیتے نظر آتے ہیں جب کہ غلط فیصلے خاندان توڑ دیتے ہیں اور پھر عمر پچھتاوے ہی ان کا منہ چڑاتے ہیں۔ گیتی آراء اپنے فیصلوں پر افسوس کرتی ہے کیوں کہ بعد میں مسعود کی منگنی کامنی سے ہو جاتی ہے تو وہ مسعود سے کہتی ہے:

"ٹھیک ہے مسعود! مجھے تم سے اور اس اتفاق سے قطعی کوئی شکایت نہیں جس نے حالات کو رخ اس طرف موڑ دیا ہے۔"(۸)

قسمت کی ہونی کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ گیتی آراء کے خاندان پر ایک ایسا وقت آ جاتا ہے کہ ان کی ساری تدبیریں الٹی ہو جاتی ہیں۔ ان کے حالات تیزی سے خراب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ گیتی آراء کی ماں جن لوگوں پر حقیر سمجھتی تھی وہی ان کی مدد کے لیے رہ گئے تھے۔ اماں بیگم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اس حوالے سے رضوانہ صفدر لکھتی ہیں:

"الطاف فاطمہ نے اس ناول میں قسمت اور وقت کے فلسفے کو ایک خاندان کی کہانی کے پس منظر میں پیش کیا ہے۔ انسان جو اپنے وجود کی اہمیت اور اس کائنات کا آقا و مالک ہونے کے زعم میں اس کائنات کو تسخیر کرنے میں ہر لمحہ یکوشاں ہے جب اس کے ارادے فیصلے اور وقت کے فلسفے اور قسمت کی جنگ میں اس کے ارادے شکست و ریخت سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ احساس اسے کرب و اضطراب میں مبتلا کر دیتا ہے۔۔۔۔ جب انسان فیصلے کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ طاقت ور ہوتا ہے۔ وہ لمحہ اور وقت اسکا ہوتا ہے۔ سارے اختیارات بھی اس کے پاس ہوتے ہیں لیکن وقت گزر جاتا ہے تو اسکے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں بچتا۔"(۹)

گیتی آراء کی ماں بھی وقت کے تھپیڑے کھا کر سمجھ گئی کہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ اس لیے وہ کہتی ہے:

"جیسا کہ تم کہہ رہے تھے کہ وہ بُری سہی، میں سچ کہتی ہوں میرے دل میں بھی ایک لحظے کے لیے بھی خیال نہیں آیا۔ وہ ضدی ضرور ہے۔ مجھے تو افسوس اس بات ہے کہ جب میں نے اُسے

قریب لانے کی کوشش کی ہے توپے درپے ایسی باتیں اور حادثات ہوئے کہ مجھے یہ موقعہ ہی نہ ملا
کہ اسے یہ احساس دلا سکوں۔"(۱۰)

یہی باتیں جب اماں بیگم سوچتی ہیں تو اُسے احساس ہو جاتا ہے کہ واقعی میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور قسمت نے ان کو بے یار و مدد گار چھوڑ دیا تھا۔

الغرض "دستک نہ دو" الطاف فاطمہ کا ایسا ناول ہے جس میں انھوں نے عورت کے مسائل اور نفسیاتی الجھنوں کو بڑی باریک بینی سے پیش کیا ہے۔ ان میں خانگی زندگی، کلچر کی کش مکش اور انتشار شامل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر خالد اشرف، بر صغیر میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۳۹

۲۔ رضوانہ صفدر، الطاف فاطمہ کے ناولوں میں المیہ عناصر، غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ اردو بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۲۰ء، ص ۷۹

۳۔ ڈاکٹر الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳

۴۔ ایضاً، ص ۴۳

۵۔ ایضاً، ص ۳۰۸

۶۔ رضوانہ صفدر، الطاف فاطمہ کے ناولوں میں المیہ کے عناصر، ص ۸۱

۷۔ ایضاً

۸۔ ڈاکٹر الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، ص ۳۴۷

۹۔ رضوانہ صفدر، الطاف فاطمہ کے ناولوں میں المیہ کے عناصر، ص ۸۵

۱۰۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، ص ۵۹۳